نقـــد و تبصـــره

(تبصرے کے لیے دو نسخے ارسال فرمائیے)

مکتوبات ڈاکٹر خلیل الرحمن اعظمی

مرتبہ عبد الرحمن ناصر اصلاحی جامعی

عبد الرحمن ناصر اصلاحی جامعی کی طرف سے مختصر سا رجسٹرڈ پارسل موصول ہوا تو میرا پہلا تأثر یہ تھا کہ شاید انہوں نے دائرہ حمیدیہ سے مولانا فراہی کی کوئی نئی کتاب شائع کی ہے۔ چونکہ ان کو معلوم ہے کہ میں مولانا فراہی پر کام کر رہا ہوں اس لئے یہی خیال گذرا کہ انہوں نے مجھے کوئی چیز میرے کام کی بیجھی ہے۔ لیکن پارسل کھولا تو اس میں سے دو پتلی پتلی کتابیں "برائے تبصرہ" کا اندراج لئے نکلیں، جو ناگوار نہیں تو کوئی خوشگوار رد عمل بھی پیدا نہ کر سکیں۔ اس لئے کہ تبصرے کے لئے کتابوں کی وصول تحصیل کوئی غیر معمولی بات نہ تھی. اس طرح کے پارسل آتے ہی رہتے ہیں۔ تبصرہ کے لئے آنے والی کتابوں کو میں اور شاید کوئی ایڈیٹر بھی ذوق شوق سے کم ہی پڑھتا ہے۔ کتاب کو الٹ پلٹ کر سرورق اور سرنامہ دیکھا تو بھی کوئی خاص خوش آئند رد عمل نہ ہوا۔ بلکہ الٹا طبیعت جھلائی کہ ناصر صاحب نے یہ کیا مذاق کیا ہے۔ ڈاکٹر خلیل الرحمن اعظمی کے مکاتیب پر مشتمل کوئی مجموعہ ہوتا تو بھی کوئی بات ہوتی، یہ دس پندرہ برس کے ایک لڑکے کے خطوط، اولاً تو انہوں نے شائع کیوں کئے، شائع کئے تو کیسے ، مجھے بھیجنے کی

کیا ضرورت تھی. اور وہ بھی تبصرہ کی فرمائش کے ساتھ . ان خیالات کے ساتھ ایک اور خیال بھی آیا ہے اور وہ یہ کہ ناصر صاحب اس عمر میں کوئی ایسا ویسا کام تو کرنے سے رہے، انہوں نے ان خطوط کو مرتب کرکے چھاپا ہے اور مجھے بھیجا ہے تو ضرور کوئی بات ہوگی۔ اس خیال نے مجھے کتاب کے مطالعے پر مائل کیا۔ پہلا خط بلکہ خط کا پہلا لفظ پڑھ کر میں چونکا اور مجھے اس نتیجے تک پہنچنے میں دیر نہیں لگی کہ ان خطـــوط کا لکھنے والا ایک نابالغ طفل مکتب سہی اس کو یوں نظر انداز نہ کرنا چاھئیے۔ اس کے بعد جو میں نے پڑھنا شروع کیا تو پڑھتا ھی چلا گیا۔

میں نے پڑھنا شروع کیا تو پہلے ھی خط میں متعدد ایسے مقامات سے گذر ہوا کہ بے ساختہ ارادہ کیا کہ نمونۃً ان کے اقتباس پیش کروں گا اور اس کے لیے میں نے بعض حصے نشان زد بھی کئیے، مگر جوں جوں آگے بڑھتا گیا ھر خط میں ایسے ھی بجلیوں کے کوندے نظر کو خیرہ کرتے رھے ۔ صورت حال یہ تھی کہ ؎

زِ فـــــرق تا بقدم ھر کجا کہ می نگـــرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

یہ فیصلہ کرنا مشکل نظر آیا کہ کس خط کے کس حصے کو دوں اور کس حصے کو نہ دوں۔ اس لئے اس ارادے کو موقوف کرکے میں اصحاب ذوق اور ارباب مغی سے سفارش کروں گا کہ ۱۴ ـ ۱۵ برس کے اس طالب علم کی نگارشات کو جو بصورت خط محفوظ ھیں خود پڑھیں اور حیرت و استعجاب کے ساتھ ان کی رنگینی ، شیرینی اور لطف آفرینی سے شاد کام ھوں۔

خلیل الرحمن اعظمی کو میں جانتا ضرور ھوں مگر واقعہ یہ ہے کہ اب تک میں نے قسم کھانے کو بھی ان کی کوئی چیز نہیں پڑھی تھی. ان کو جاننے کے لئے اعظم گڑھ کی نسبت کافی تھی۔ ان کی "شہرت یا رسوائی" دونوں

کا حال میرے لئیے دیدہ نہیں شنیدہ ھی کہا جا سکتا ہے۔ بہر حال اس وقت اس کا ذکر بے محل ھوگا۔ ان خطوط کی روشنی میں جن کا تعلق ان کے عہد طفلی سے ہے پردۂ تخیل پر جو تصویر ابھرتی ہے اس میں خلوص، سادگی اور سچائی سے آشنا، تصنع، تکلف، ریاکاری اور نام و نمود سے پاک ایک معصوم مگر ھونہار بچے کے خال و خط نمایاں ھیں۔ جس کو مبدأ فیاض نے فطرت سلیمہ کے ساتھ ھوش و آگہی کی گونا گوں صلاحیتوں سے نوازا تھا۔

اب کہ میں نے یہ خطوط پڑھ ڈالے ھیں مجھے یہ بدگمانی ھو رھی ہے کہ کہیں ناصر صاحب نے «خلیل نوازی» میں (ایک جگہہ خلیل الرحمن نے القاب میں خود یہ الفاظ استعمال کئے ھیں۔ «خلیل نواز! سلام و نیاز» واضح رھے کہ خلیل معنی دوست کے آتے ھیں) «نواز شہائے بے جا» نہ کر گذرے ھوں۔ ھو سکتا ہے انہوں نے ان خطوط کے خال و خط سنوارے ھوں اور اس مشاطگی کی وجہ سے ان میں یہ نکھـــار آ گیا ھو۔ یہ حقیقت ہے کہ عقل یہ باور کرنے کے لئے تیار نہیں ھوتی کہ ایک گاؤں کا رھنے والا کم عمر دیہاتی لڑکا ایسے خطوط لکھہ سکتا ہے۔ باتیں اور ان کو کہنے کا انداز دونوں اس کی اوقات سے باھر معلوم ھوتے ھیں۔ اس خیال کو اس سے تقویت ملتی ہے کہ انہی خطوط میں ناصر صاحب کی استادی، اصلاح اور رھنمائی کا بار بار ذکـــر آتا ہے۔ بہر حال استاد شاگرد دونوں داد و تحسین کے مستحق ھیں۔

خلیل الرحمن اعظمی نے ناصر اصلاحی کی رھبری میں جو سفر شروع کیا اس میں آگے چل کر انہوں نے بڑی بڑی منزلیں طے کیں۔ اعلی تعلیم، معلمی اور ادبی کارنامے سب نے مل کر ان کی شہرت کو چار چاند لگائے مگر ناصر صاحب جوھر قابل رکھنے کے باوجود گوشۂ گمنامی میں رھے۔ ان خطوط کے مرتب بھی وھی ھیں، مکتوب الیہ اور مخـــاطب بھی، اس لئے ضروری معلوم ھوتا ہے کہ ان کا بھی کچھہ بیان ھو جائے۔ ناصر صاحب مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اور

جامعہ ملیہ دھلی کے تعلیم یافتہ ھیں۔ سالھا سال سے مدرسۃ الاصلاح میں خازن اور دائرہ حمید یہ میں معتمد کی ذمہ داریاں سنبھالے ھوئے ھیں۔ اور یہ دونوں کام اعزازی ھیں۔ ان کا ذریعہ معاش کھیتی باڑی بلکہ زمینداری ہے۔ ان کی ادبی صلاحیتوں کے سلسلے میں یہی کافی ہے کہ ڈاکٹر خلیل الرحمن اعظمی جیسا قلم کار ان کی آغوش تربیت کا پروردہ ہے۔ خلیل الرحمن نے ایک جگہ خود لکھا ہے «میرے ایک عزیز عبد الرحمن ناصر جو اس زمانے میں میرے ادبی رھنما تھے، اس رسالے کے مستقل قلمی معاونین میں تھے اور ان کے افسانے اور ترجمے « جدید اردو » میں پابندی سے چھپا کرتے تھے»۔

یہ جوھر قابل کس طرح ضائع ھوا اس کے لئے خلیل الرحمن کے انہی خطوط سے بعض جملے نقل کر دینا کافی ھوگا۔

«مجھے اکثر بڑا افسوس ھوتا ہے کہ ایک جوھر قابل اس طرح سے زمینداری کے جال میں پھنس کر اپنی صلاحیتوں کو ضائع کر رھا ہے» (خط نمبر ۱۸)

آپ کو خط لکھتے وقت نہ جانے کیوں میرا دل دُکھتا ہے۔ مجھے ایک جواں مرگ ادیب کی یاد آنے لگتی ہے جو جیتے جی ادب سے کنارہ کش ہے اور ان چنگاریوں کو اپنے دل کی خاکستر میں دفن کئے ھوئے ہے جو اس کی ذرا سی توجہ سے شعلہ بن سکتی ھیں»۔ (خط نمبر ۱۹)

رھا ان خطوط کی قدر و قیمت کا سوال تو اس کے لئے میں سوال و جواب دونوں میں ناصر صاحب ھی کے الفاظ مستعار لونگا۔ «خلیل الرحمن مرحوم کے زمانہ طالب علمی کے یہ خطوط کس مرتبے کے ھیں؟ یہ قارئین جانیں۔» (ص ۷) بحیثیت مرتب انہوں نے اس کی ضرورت نہیں محسوس کی تو بحیثیت تبصرہ نگار مجھے بھی ان خطوط کے مرتبے کی نسبت اظہار رائے کرکے قارئین کو افیون دینے کی غلطی نہیں کرنی چاھیے۔ مشک کو عطار کی گفتگو کا پابند کرنے

میں بے حاصلی کے سوا کیا رکھا ہے۔ اس لئے میں مجرد یہ سفارش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ قارئین اسے خود پڑھیں اور رائے قائم کریں۔ میرا اندازہ ہے کہ پڑھنے والے اسے دلچسپی سے پڑھیں گے۔ اس سے ان کے ذوق مطالعہ کی تسکین ہی نہیں ہوگی بلکہ وہ اس سے کچھ نہ کچھ سیکھیں گے بھی ۔ جس میں ادب، اخلاق، اخلاص، پاکیزہ اور صحت مند رسم محبت ہی نہیں، زبان بیان اور اظہار کا بانکپن بھی ہے۔

البتہ مجھے اس کتاب کے نام پر یہ اعتراض ہے کہ یہ مکتوبات ڈاکٹر خلیل الرحمن اعظمی کے تو نہیں ایک بچے خلیلؑ الرحمن کے ہیں۔ اس کی جگہ میں ناصر صاحب ہی کی تحریر کا ایک لفظ یا فقرہ تجویز کرتا ہوں۔ "میرے خلیل" یا کوئی اور لفظ یا فقرہ جو حقیقت حال کا آئینہ دار ہو۔ لیکن جس دنیا کے بازار میں انہیں پیش کرنا ہے اس کا طور ہی اور ہے۔ ڈاکٹر خلیل الرحمن اعظمی کو تو لوگ جانتے ہیں "میرے خلیل" یا "خلیل الرحمن" کو کون جانتا ہے۔

یہ خطوط اس وقت لکھے گئے جبکہ لکھنے والے کی عمر ابھی مشکل ہی سے ۱۳ ۔ ۱۴ برس کی ہوگی ۔ ۹ ۔ اگست ۱۹۲۷ اعظمی صاحب کی تاریخ پیدائش ہے۔ ہر چند کہ میں نے اقتباس نہ درج کرنے کا ارادہ کر لیا ہے ۱۲ ۔ اگست ۱۹۴۰ کو لکھے گئے ایک خط کا یہ اقتباس درج کرکے اپنے ہی ارادے کو فسخ کرتا ہوں ۔

آپ کا خط آیا جس سے معلوم ہوا کہ آپ ایک حسین اور جمیل مقام پر پہنچ گئے ہیں۔ جہاں کے نظارے آپ کو موہ لیتے ہیں اور جہاں صبح و شام جمنا کی لہریں آپ کے قدم چومتی ہیں۔ اس سے مجھے بھی بڑی خوشی ہے۔ لیکن یہ عرض کروں گا کہ اپنے دیہات کے مناظر کو بھی اپنے دل کے کسی گوشے میں محفوظ رکھیئے گا۔ وہ لہلہاتی ہوئی کھیتیاں، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں، صبح و

شام کے دلفریب نظارے، ساون کی اودی اودی گھٹائیں، کوئل اور پپیہے کے دردناک نغمے بھی یاد رکھئے گا اور صفحہ دل پر ان کی تصویریں بنائے رکھئے گا۔ (خط نمبر ۱)

کتاب کی قیمت اور ملنے کا پتا درج کرکے بات ختم کرتا ہوں۔ لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم۔قیمت چار روپے پچاس پیسے۔ ملنے کا پتا ۔ دائرۃ حمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر اعظم گڑھ یو پی، انڈیا۔

(شرف الدین اصلاحی)

نام کتاب - اسلامی مذاهب

مصنف - شیخ محمد ابو زهره مصری

مترجم - پروفیسر غلام احمد حریری ایم اے

قیمت - ۲۴ روپے

ناشر - ملک سنز ۔ کارخانہ بازار ۔ فیصل آباد

یہ کتاب عالم اسلام کے معروف فقیہ شیخ محمد ابو زهره پروفیسر لاء کالج جامعہ الازهر مصر کی تصنیف «المذاهب الاسلامیة» کا رواں اور شگفتہ اردو ترجمہ ہے۔ شیخ ابو زهره اپنے تبحر علمی کے باعث پوری دنیائے اسلام میں معروف ہیں۔ انہوں نے اسلام پر متعدد کتابیں لکھی ہیں۔ پاکستان میں بھی ان کی بیشتر تصانیف کے اردو تراجم شائع ہو کر مقبول ہو چکے ہیں۔ کتاب کے مترجم پروفیسر غلام احمد حریری بھی اپنے علم و فضل، اور علوم دینی پر متعدد کتابوں کے تراجم کی وجہ سے مشہور ہیں۔

شیخ ابو زهره نے یہ کتاب مصر کی وزارت تعلیم کی فرمائش پر تحریر کی تھی۔ لیکن یہ وہیں تک محدود نہ رہی، بلکہ پورے عالم اسلام میں مقبول ہو گئی۔ تصنیف ہذا در اصل امور دین میں امت مسلمہ کے اختلافات کی